تعارف وتبصرہ

’’علامہ اقبال کا تصور اجتہاد‘‘

مرتبین: ڈاکٹر ایوب صابر، محمد سہیل عمر

صفحات: ۲۸۱

قیمت: ۲۵۰ روپے

ناشرین: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

زیر تبصرہ کتاب اقبال اکادمی پاکستان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام ’’اقبال کا تصور اجتہاد‘‘ کے زیر عنوان منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالات پر مشتمل ہے جو ۲۸ تا ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۷ء علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ سیمینار ہر مکتب فکر کا نمائندہ تھا۔ اس طرح موضوع پر متنوع ذہنوں کا کھلا اظہار سامنے آتا ہے۔ جو لوگ کھلے ذہن کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان کے لیے بھرپور اور متنوع مواد یکجا صورت میں فراہم کیا گیا ہے۔ نمائندہ سیمینار کی یہی خوبی ہے۔ سیمینار سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد تو بڑی محدود ہوتی ہے، یہاں تک کہ سیمینار میں مقالات پیش کرنے والے حضرات بھی پورے سیمینار میں شریک نہیں ہوتے، البتہ کتاب کی بدولت استفادے کا حلقہ وسیع ہو سکتا ہے۔

سیمینار کے لیے ذیلی عنوانات قائم کر کے مختلف دانشوروں کو مقالات پیش کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ مرتبین نے بارہ صفحات کے پیش لفظ میں مقالات کے بارے میں تعارفی سطور پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بعض شرکا کے زبانی پیش کردہ خیالات کا تذکرہ کر کے سیمینار کے ماحول کی تصویر مکمل کی ہے۔ مقالات کے عنوانات اور ان کو پیش کرنے والے اہل دانش کے نام حسب ذیل ہیں:

علامہ اقبال کے اصول اجتہاد	محمد خالد مسعود
اقبال کا تصور اجتہاد اور دور حاضر کے اجتہادی ادارے	پروفیسر عبد الجبار شاکر مرحوم
اقبال، اجماع امت اور قیام پاکستان	پروفیسر فتح محمد ملک
جدید سیاسی نظام اور اجتہاد	ابو عمار زاہد الراشدی
علامہ اقبال اور حدیث	ڈاکٹر خالد علوی مرحوم

عمل اجتہاد میں آزادی فکر کا کردار	عبداللہ
شریعت، مقاصد شریعت اور اجتہاد	محمد عمار خان ناصر
اقبال کے تصور اجتہاد پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر ایوب صابر
زنجیر پڑی دروازے میں	محمد سہیل عمر
اقبال، اجتہاد اور اسلامی جمہوری ریاست	ڈاکٹر شاہد اقبال کامران
دور جدید کی تہذیبی ساخت، اسلام اور اقبال	ڈاکٹر نجیبہ عارف
وقت کے اجتہادی مسائل میں احمد رضا اور اقبال کا موقف	ڈاکٹر تنظیم الفردوس

کتاب میں شامل تمام مقالات استفادے کے لیے اپنے اندر بہت کچھ رکھتے ہیں۔ ان سب پر کچھ کہنے کے لیے صفحات میں گنجائش اور میرا کم علم، دونوں ہی مانع ہیں۔ ایک طالب علم کے طور پر ان مقالات سے جو کچھ میں نے اخذ کیا ہے، اس تبصرے میں اس کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

موضوع کے لحاظ سے بنیادی بات جس پر اکثر مقالات میں زور دیا گیا ہے، وہ جدید دور میں پارلیمان کے ذریعے اجتہاد ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کے خطبے کا بار بار حوالہ دیا گیا ہے۔ اقبال نے جس طور میں یہ بات کہی تھی، بلاشبہ وہ اقبال کی دور اندیشی کی آئینہ دار ہے۔ زیادہ تر اسلامی ممالک میں پارلیمانی دور اس وقت بھی خواب تھا اور ابھی تک خواب ہی ہے۔ پاکستان کی باسٹھ سالہ تاریخ میں بھی پارلیمانی کارکردگی دیکھی جائے تو اجتہاد تو دور کی بات ہے، اپنی دستوری ذمہ داریوں کے پہلو سے ہی وہ انتہائی مایوس کن ہے۔ قانون سازی جو کچھ بھی ہوئی ہے، وہ وزارت قانون کی مرہون منت ہے۔ اس میں ملکی، قومی اور عوامی ضروریات کا شاید ہی کبھی لحاظ رکھا گیا ہو۔ اس عملی صورت حال کو نظر انداز کر کے پارلیمان کو اجماع و اجتہاد کا سر چشمہ تصور کرنا عملی طور پر تو ممکن نہیں ہو سکتا۔ پھر اسے اقبال کے حوالے سے دیکھنا اقبال کے ساتھ زیادتی سے کم نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اقبال محض مفکر نہیں تھے بلکہ باعمل انسان تھے۔ علامہ کے نزدیک ''فقہ میں مجرد فکر کے برعکس حقیقی مسائل وواقعات کی قدر و قیمت پر زور'' ہے۔ اقبال کے ہاں ''قرآن کے حوالے سے بھی فکر کے بجائے عمل پر زور'' نظر آتا ہے۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے پیش لفظ کا پہلا جملہ ہی یہ ہے:

The Qur'an is a book which emphasizes 'deed' rather than idea.

اس لحاظ سے پارلیمانی اجتہاد کی بات کتابی اور علمی دنیا میں تو کی جا سکتی ہے، مگر یہ تمام مباحث کسی عملی افادیت سے خالی ہوں گے۔ اس صورت حال کو ایک لمحہ کے لیے ایک جانب رکھ دیا جائے تو بھی پارلیمان کی جو شکل اقبال نے اپنے خطبہ اجتہاد میں پیش کی ہے، اس کی تعبیر میں لفظ layman کے لغوی معنوں کی مدد سے جو وضاحت مقالہ نگار، ڈاکٹر ایوب صابر نے کی ہے، وہ پارلیمان کی مروجہ اور معروف صورت کی بڑی حد تک نفی کر دیتی ہے۔ پہلے ہم اقبال کے الفاظ کو دیکھتے ہیں:

The transfer of the power of Ijtehad from individual

representatives of schools to a Muslim legislative assembly which, in view of the growth of opposing sects, is the only possible form Ijma can take in modern times, will secure contributions to legal discussion from laymen who happen to possess a keen insight into affairs. In this way alone can we stir into activity the dormant spirit of life in our legal system, and give it an evolutionary outlook. The Ulema should form a vital part of Muslim legislative assembly helping and guiding free discussion on qustions relating to law.

اس اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد کا اختیار، انفرادی مسالک سے لے کر مسلمانوں کی قانون ساز اسمبلی کو منتقل کرنے سے ہی ہم قانونی سوالات میں زندگی کی روح دوڑا کر اسے انقلابی نقطہ نظر دے سکتے ہیں اور اس کام میں مختلف شعبوں کے ماہرین پر مشتمل اسمبلی علمائے شریعت کی رہنمائی میں کام کرے گی۔ اقبال نے قانون ساز اسمبلی کے بارے میں کہا ہے کہ علما اور دیگر شعبوں کے ماہرین قانونی مباحث میں حصہ لیں گے۔ اقبال کے الفاظ layman کے عام مفہوم کے تحت بعض لوگوں نے اقبال کے نقطہ نظر سے شدید اختلاف کیا۔ جناب ایوب صابر نے layman کے ساتھ اقبال کے الفاظ ''تیز بصیرت'' کو مطابقت دینے کے لیے layman کے لغوی معنی ''عام اور ان پڑھ آدمی'' کے بجائے ''غیر پادری'' لے کر جو صراحت کی ہے، وہ توجہ کی مستحق ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر اقبال کے جملوں میں layman سے مراد شریعت کے علاوہ دیگر شعبوں کے ماہرین لیے جا سکتے ہیں۔ ایسی اسمبلی جس میں مختلف شعبوں کے ماہرین شامل ہوں اور وہ علمائے شریعت کی رہنمائی میں کام کرے، اس کی اجتہادی حیثیت پر اعتراض کی شاید ہی کچھ گنجائش رہ جائے۔ layman کے مفہوم کی اس شرح کے بعد، ڈاکٹر صاحب نے اس کے نتائج کو سمیٹنے سے گریز کیا اور بات کو ادھورا چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے ان کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے۔

البتہ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ماہرین کی ایسی اسمبلی کس طرح تشکیل دی جائے۔ اس پر بھی ڈاکٹر ایوب صابر صاحب نے اپنے طویل مقالے میں توجہ نہیں دی۔ عملی اہمیت کے لحاظ سے اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ جمہوری نظام میں نمائندہ اسمبلیوں کو حکومت سازی، ان کی نگرانی اور مواخذے کی حیثیت تو دی جا سکتی ہے مگر ان کی اجتہادی حیثیت بہر حال محل نظر ہوگی۔ گہری بصیرت، بصارت اور مہارت کے بغیر کسی عمل کو 'اجتہاد' تصور کیا جانا کسی طرح معقول نظر نہیں آتا۔ اس بارے میں دستور کی روشنی میں اعلیٰ عدالتوں کو نظر ثانی کا جو اختیار حاصل ہے، وہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ دستور بنیادی قانون ہے۔ اس کے منافی کوئی بھی قانون بے حقیقت ہے۔ اسی طرح وفاقی شرعی عدالت قوانین کو شرعی معیاروں پر، پرکھنے کا اختیار رکھتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس جانچ پرکھ کے ساتھ دستور میں جو قیود عائد کی گئی ہیں، ان کو ختم کر کے عدالتی دائرۂ کار کو وسعت دی جائے۔ اسی طرح حاکم خان کیس میں قرارداد مقاصد میں درج اصولوں کے منافی دستوری آرٹیکل کو غیر موثر قرار دینے سے گریز کا جو راستہ اختیار کیا گیا ہے،

اس پر بھی ایک مقالہ خواں جناب عبداللہ نے سخت افسوس کا اظہار کیا ہے۔ موصوف نے کیس کا باقاعدہ حوالہ نہیں دیا مگر فیصلے پر اپنی برہمگی کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ انہوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ علما حضرات کے نوٹس میں یہ فیصلہ نہیں آیا، وگرنہ فیصلہ پر مجالس اور خطبوں میں بات آگے بڑھتی۔ حاکم خان کیس کا فیصلہ یقینی طور پر نظر ثانی کا محتاج ہے۔ یہ فیصلہ بھی اس دور کی یادگار ہے جب جج صاحبان اہل اقتدار کے ماتھوں کی جنبش کا زیادہ ہی احترام کیا کرتے تھے۔ عدلیہ کی بحالی کے بعد اعلیٰ عدلیہ نے واقعتاً اپنی آزادی کا ثبوت دیا تو کسی نہ کسی مرحلے پر یہ فیصلہ بھی نظر ثانی میں آئے گا۔ بہرحال عبداللہ صاحب نے اپنے مقالے میں اس پہلو کی پورے زور کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔

حدیث کی حجیت کے حوالے سے اقبال نقطہ نظر پر ڈاکٹر خالد علوی مرحوم نے اپنے مقالے میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ انہوں نے اقبال کے نقطہ نظر کی صراحت بڑی خوبی سے کی ہے۔ اس مقالے کو بغور پڑھ لیا جائے تو اقبال کے راسخ العقیدہ ہونے کے بارے میں کوئی ابہام اور شک باقی نہیں رہتا۔ ڈاکٹر علوی صاحب نے بار بار اس جانب توجہ دلائی ہے کہ اقبال اپنی نثر اور نظم میں احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ایک موقع پر شبلی نے شاہ ولی اللہ کے ایک اقتباس کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، اس سے اقبال الجھن کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اقبال کا حدیث کی حجیت کے بارے میں ذہن صاف ہے۔

منصوص احکام کی ابدیت کے پہلو سے اقبال نے یہ بحث بھی کی ہے کہ عربوں کے رسم و رواج کے اثرات کو بھی دیکھنا ہوگا، لیکن اقبال خود ہی اس بارے میں کہتے ہیں کہ اس پہلو سے جستجو بڑی مشکل کام ہے۔ اس پہلو سے اقبال کے اٹھائے گئے سوالات کا حوالہ دیے بغیر جناب عمار خان ناصر نے مقاصد شریعت اور اجتہاد کے عنوان سے بڑی تفصیلی اور مدلل بحث کی ہے۔ اس بحث میں انہوں نے منصوص احکام کی ابدیت کے بارے میں جملہ سوالات کا مسکت جواب دینے کے بعد ان کی ابدیت کو ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے منصوص احکام میں وسعت، تقیید اور استثنا کی صورتوں پر بھی کھل کر بات کی ہے اور مثالوں کے ذریعے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ فقہا کی آرا کے بارے میں بھی ان کا نقطہ نظر جامد تقلید کا نہیں۔ اختصار سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ عمار صاحب نے موضوع پر مکمل مقالہ پیش کیا ہے۔ اس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ خوب جم کر لکھا ہے۔ البتہ اسے اقبال کے تصور اجتہاد کے ساتھ جوڑنے سے گریز کی راہ اختیار کر کے تھوڑی سی زیادتی کی ہے۔ ان کا مقالہ کتاب کے سانچے میں بہت سجتا اور جچتا ہے، مگر اسے اقبال کے تصور اجتہاد سے مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔

کتاب میں جناب خالد مسعود کے مقالے کو اولیت دی گئی ہے۔ مقالے میں اقبال کے خطبہ اجتہاد سے بہت سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ ان اقتباسات سے جو نتائج جناب خالد صاحب اخذ کرنا چاہتے ہیں، وہ خطبے سے کشید بھی کیے جائیں تو بہت زبردستی کرنا پڑے گی۔ ان کے نزدیک اقبال نے یہ خطبہ روایتی فقہ پر تنقید کے طور پر لکھا مگر مترجمین اور شارحین نے اسے روایتی فقہ کے سیاق و سباق ہی میں پیش کر کے خطبے کا مقصد فوت کر دیا ہے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ خود انہوں نے اپنے مقالے میں بے شمار فقہی حوالوں کا سہارا لیا ہے۔ روایتی اور غیر روایتی فقہ کے مابین کوئی حد

فاصل جناب خالد مسعود قائم کرنے کے بعد بات کو بڑھا سکتے تھے، مگر اس پہلو سے ان کے مقالے میں خلا محسوس ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اجتہاد کے موضوع پر اصول فقہ اور فقہی حوالوں سے نجات کی کوئی صورت کس طرح ممکن ہے؟ خالد صاحب اپنے علم وفضل کے باوجود اس کی وضاحت نہیں کر سکے۔ اقبال کے حوالے سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فقہ جمود کا شکار ہے، لیکن خطبے میں اقبال نے اس جمود کو افسانہ قرار دیا ہے۔ جناب خالد صاحب اقبال کے اس جملے کو گول کر جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں جناب خالد مسعود صاحب کے مقالے کو پورا احترام دے کر پڑھنے کے باوجود سمجھنے میں اپنی کم فہمی کو ہی قصوروار قرار دے سکتا ہوں۔ جناب خالد مسعود کے مقالے کا عنوان ''اقبال کے اصول اجتہاد'' ہے۔ مقالے کے شروع میں درج ذیل تین سوالات اٹھائے گئے ہیں:

> ''اس سیمینار کے مجوزہ موضوعات میں ایک بہت ہی اہم سوال اٹھایا گیا ہے کہ کیا مصالح مرسلہ اور استحسان سے بہتر تصور وضع کرنا اقبال اور دیگر مفکرین کے لیے ممکن ہے؟ یہ سوال کئی پہلوؤں سے اہم ہے۔ ایک تو یہ سوال اجتہاد اور اصول فقہ کے حوالے سے ایسے ''مفروضات'' کے تجزیے کا طالب ہے جو ہمارے ہاں ''مسلمات'' کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔
> دوسرے یہ عصر جدید کے اصول اجتہاد میں مصالح مرسلہ اور استحسان کے نئے مقام اور کردار پر بحث کا مطالبہ کرتا ہے۔
> تیسرے یہ علامہ اقبال اور دیگر مفکرین کے ہاں اجتہاد کے ضمن میں بہتر تصور کی تلاش پر بحث چاہتا ہے۔ اس مختصر مقالے میں انہی سوالات کا جواب علامہ کے خطبہ اجتہاد میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

ان سوالات کا مقالے کے عنوان کے ساتھ کوئی تعلق مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔ پورے مقالے میں ان سوالات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ خاص طور پر ''اصول فقہ میں وہ مفروضات جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر گئے'' کی کہیں نشاندہی نہیں کی گئی۔ آخر میں جو نتیجہ فکر پیش کیا گیا ہے، ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

> ''قرآن وسنت اور اجماع میں جدید مسائل کے حل کے لیے واضح نصوص موجود نہیں''۔

یہ سب کچھ اقبال کے اصول اجتہاد کے عنوان کے تحت ہو تو کیا کہا جا سکتا ہے۔ اقبال کے خطبہ اجتہاد سے آخری سطور نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں:

> Believe me, Europe today is the greatest hindrance in the way of man's ethical advancement. The Muslim, on the other hand, is in possession of these ultimate ideas on the basis of a revelation, which, speaking from the inmost depths of life, internalizes its own apparent externality. With him the spirirtual basis of life is matter of conviction for which even the least enlightened man among us can easily lay down his life; and in view of the basic idea of Islam that there can be no further revelation binding on man, we ought to be spiritually one of the most emancipated peoples on earth. Early Muslims emerging out of the spiritual slavery of pre-Islamic Asia were not in a position to realize the true significance of this basic idea. Let the Muslim of today appreciate his position, reconstruct

his social life in the light of ultimate principles, and evolve, out of the hitherto partially revealed purpose of Islam, that spiritual democracy which is the ultimate aim of Islam. .

''فرنگ کی موجودہ تہذیب انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی ہے، لیکن مسلمانوں کے پاس زندگی کے بنیادی عقائد از روے وحی موجود ہیں۔ اگر وہ خودی سے آشنا ہو جائیں اور اسلام کی حقیقت ان پر آشکار ہو جائے تو اقوام اسلامی، روحانی اور سیاسی و معاشی طور پر پوری طرح آزاد ہو کر وقار کی زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ ابتدائی صدیوں کے مسلمان قبل اسلام ایشیا کی دیرینہ غلامی میں سے ابھرے تھے۔ اس لیے وہ اسلام کی حقیقی غایت سے پوری طرح آشنا نہ ہو سکے۔ مسلمانوں نے پہلے جو کچھ کمالات دکھائے، ان سے کہیں زیادہ اب ممکن ہیں۔ مرور ایام سے اسلام کے عقائد اور اس کے نظریہ حیات کی ماہیت واضح تر ہو گئی۔ مستقبل کا اسلام ماضی کے اسلام سے زیادہ شاندار اور نوع انسانی کا محسن ہو سکتا ہے۔ اسلام کی حقیقت کسی دور میں بھی پوری طرح معرض شہود میں نہیں آسکی۔''

جناب افتخار عارف کے خطاب سے چند جملے خاص طور پر اہم ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ :

''شرائط اجتہاد کے سلسلے میں ایک بات عرض کروں کہ ہمارے جدید سکالرز تمسخر کے ساتھ اس پر گفتگو کرتے ہیں۔ یہ شرائط مثلاً عربی دانی، تقویٰ، سیاق و سباق، متون تک رسائی، حدیث کا علم، اجماع کا علم وغیرہ، جب ان کا ذکر ہوتا ہے مذاق کے ساتھ، یہ دیکھ کر مجھے وحشت سی ہوتی ہے۔ جہل پر اس طرح سے اصرار، میرے نزدیک یہ بات محل نظر ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ جناب افتخار عارف نے علما کی اقبال فہمی کے حوالے سے فرمایا:

''اقبال نے بیس کی دہائی میں، خطبات کی اشاعت سے پیشتر، چھ برسوں میں معاصر فکر کے بڑے بڑے سماجی مفکر اور فلسفیوں کو پڑھا۔ اقبال نے ان کا ذکر کہیں نہ کہیں، انکار، اثبات، تصدیق، تردید، استفادے اور استخراج کی صورت میں کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ علما جو فکر مغرب سے واقف نہیں ہیں، فکر اقبال سے پوری طرح فیض یاب ہو سکتے ہیں؟ مجھے یہ ماننے میں تامل ہے۔''

اس طرح جناب افتخار عارف نے جدیدیوں اور قدیمیوں پر اظہار خیال میں لاگ لپیٹ سے کام نہیں لیا۔

کتاب میں املا کی اغلاط موجود ہیں، مگر اتنی زیادہ نہیں کہ تکلیف کا باعث ہوں۔ البتہ بعض اوقات سطور کا تکرار بہت بے جا ہے۔ کتاب کے آخر میں اگر شخصیات اور مضامین کا اشاریہ شامل کیا جاتا تو یقیناً کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا۔ مقالہ نگار حضرات معروف لوگ ہیں، اس کے باوجود ان کے مختصر تعارف کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب کا معیار طباعت چھاپنے والے اداروں کی شان کے عین مطابق ہے۔

(تبصرہ نگار: چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ)

''جامعہ نامہ''

پاکستان میں ایک سے بڑھ کر ایک ایسی جامعات موجود ہیں جہاں ان کی تاسیسی تقریب سے لے کر اب تک وقتاً فوقتاً کئی تقریبات کا انعقاد کیا گیا ہے، لیکن شاید ہی ایسی کوئی جامعہ ہو جہاں تقریبات نہ صرف مسلسل منعقد ہو رہی ہوں